قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

الفضل

مضامین بنام ایڈیٹر
کاروباری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو۔

ایڈیٹر:۔ غلام نبی ۔ اسسٹنٹ:۔ مہر محمد خان۔

نمبر ۷۱ | مورخہ ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء | پنجشنبہ | مطابق ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ | جلد ۸

فہرست مضامین

قادیان میں غیر احمدیوں کا جلسہ ۔۔۔ ۱
اسلام اور حریت و مساوات (از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ) ۔۔۔ ۴

قادیان میں غیر احمدیوں کا جلسہ

غیر احمدیوں کا جلسہ جس کیلئے مخالفین کئی ماہ سے بڑی بڑی تیاریاں کر رہے تھے۔ اشتہاروں اور اخباروں کے ذریعہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو شامل ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔ اور جس کا نام علماء ہند کا ایک عظیم الشان جلسہ رکھا گیا تھا۔ ۱۵ مارچ کو شروع ہو کر ۲۰ کو ختم ہو گیا۔ اس کے متعلق مفصل تحریر تو ہم انشاء اللہ آئندہ لکھیں گے۔ اور بتائینگے۔ کہ مخالفین کو اپنے ارادوں اور منصوبوں میں اسی طرح ناکامی اور نامرادی ہوئی۔ جس طرح اصحاب فیل کو ہوئی تھی۔ اسوقت نہایت مختصر الفاظ میں چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

علماء کہلانے والے تیس چالیس ایسے آدمی تھے۔ جو مختلف عقائد اور مختلف الخیال ہونے کی وجہ سے عجیب معجون مرکب تھے۔ اور باوجود اسبات کا دعوی کرنے کے کہ ہم ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ احمدیوں کے مقابلہ میں یک جان ہیں۔ کبھی کسی وقت سٹیج پر صرف تو تو میں میں ہی نہیں بلکہ گالی گلوچ تک نوبت پہنچا دیتے رہے۔ اور اگر بعض لوگ بیچ بچاؤ نہ کر دیتے تو دست درازی تک نوبت پہنچ جاتی۔ سامعین کے شور و شر کی یہ حالت تھی۔ کہ سٹیج سے بار بار ان سے خاموش رہنے کی درخواست کی جاتی تھی اور مجبور ہو کر یہاں تک کہا جاتا کہ اگر آپ نہیں سننا چاہتے تو جلسہ برخاست کر دیا جائیگا۔ علماء کی [illegible] ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ ہمارے خلاف بدزبانی اور بیہودہ سرائی کرنے میں دوسرے سے سبقت لیجائے۔ اور بعض نے باوجود سرکاری حکام کی موجودگی کے نہایت دل آزار اور اشتعال انگیز الفاظ استعمال کئے۔

انکے اعتراضوں کے جواب میں ۱۹ تاریخ کو ہماری طرف سے تقریریں ہوتی رہیں اور ۲۰ تاریخ کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک جامع تقریر فرمائی۔

ہم نے دو اشتہار ان کے جلسہ میں تقسیم کئے۔ ایک میں مولوی ثناء اللہ کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اور جیسا کہ اس کے لئے دو سو روپیہ انعام رکھا تھا جس میں سے پچاس روپیہ نقد اور اس کے لینے پر روپیہ مجسٹریٹ صاحب علاقہ جو جلسہ میں موجود تھے۔ کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ لیکن اس نے مقابلہ سے انکار کر دیا اور مجسٹریٹ نے روپیہ ہمیں واپس کر دیا۔ ایک اشتہار جس میں ہر ایک مولوی مخاطب تھا سو روپیہ انعام کا تھا۔ مگر اسے بھی کوئی حاصل نہ کر سکا۔ ایک اشتہار دیوبندیوں کے متعلق تھا۔ ایک میں مولوی ابراہیم سیالکوٹی وغیرہ کا چیلنج مناظرہ منظور کیا گیا تھا۔ باقی اشتہار تبلیغی رنگ کے تھے جنہیں ان سے متعدد مطالبات اور سوالات کئے گئے تھے۔ لیکن جمعیۃ العلماء میں سے کسی ایک کو ہمارے کسی مطالبہ کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اشتہارات نے مخالفین پر جو اثر کیا اور جس طرح ان کے حواس پراگندہ ہو گئے اس کے متعلق ہم آئندہ مفصل لکھیں گے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ جو ہمسے مذہبی مسائل کا تصفیہ اور اختلاف کا سدباب کرنے کے لئے آئے تھے کیسے خائب و خاسر ہو کر گئے۔

جلسہ میں مولوی ثناء اللہ نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی بار بڑے زور و شور سے اعلان کیا کہ کئی آدمی احمدیت سے توبہ کر رہے ہیں جنکو پیش کیا جائیگا اور ایک دفعہ تو کہا کہ دو آدمی باہر گئے ہیں ابھی آتے ہیں لیکن سوائے ایک آوارہ مزاج کے جس نے خود کہا کہ میں قادیان آیا تھا۔ مگر یہاں سے لاہوری پارٹی کے ساتھ چلا گیا اور ایک والے کے جس کا جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا اور کسی کو پیش نہ کر سکے۔ اس کے مقابلہ میں انہی دنوں میں جو بیس ۲۲ آدمیوں نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے نام اور مفصل حالات آئندہ شائع کئے جائینگے۔

چونکہ غیر احمدیوں کے اعلان اور متفرق جماعتوں سے دور و نزدیک مقامات سے انکے بلانے ارادوں کی اطلاعیں پہنچی تھیں اس لئے احتیاطی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنے مقدس مقامات کی حفاظت کیلئے پہرہ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جسکی وجہ سے انکو فساد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

الفضل قادیان دارالامان ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَالنَّاصِرُ

اسلام اور حریت و مساوات

(۲)
ضمیمہ

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

"کچھ حصہ مضمون کا لکھا تھا کہ مجھے پہلے آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے باہر جانا پڑا۔ پھر لاہور اور کوئٹہ کا سفر پیش آگیا۔ اور بعض اور اہم کام بھی پیش آگئے۔ اسلئے اس مضمون کے مکمل کرنے میں دیر ہوگئی۔ اب سفر سے آکر اس جواب کو شائع کرتا ہوں۔"

خاکسار مرزا محمود احمد (۱۷ مارچ ۱۹۲۱ء)

احباب کو یاد ہوگا۔ کہ "الفضل" میں میرا ایک خط چھپا تھا جس میں ایک صاحب کے چند سوالات کا جواب تھا۔ ان سوالات کا مدعا یہ تھا کہ حریت و مساوات اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور خلفاء اور اماموں کا فرض ہے کہ وہ چھوٹی قوموں کو ظالموں کی دست برد سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ اور کیا یورپ کی بعض حکومتیں چھوٹی حکومتوں کو نگل نہیں چکیں۔ اور کیا ان کا یہ منشاء نہیں کہ اسلامی حکومتوں کی جگہ مسیحی حکومتیں قائم کردیں۔ اور کیا انگریزوں نے ہندوستان میں مساوات قائم رکھی ہے اور کیا انگریز ہندوستانیوں سے برا سلوک نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اس کے دفع کرنے کے لئے کیا کوشش کی۔

میں نے ان سوالات کے جواب ان صاحب کو مختصر طور پر لکھوا دیئے۔ اور یہ بھی لکھا کہ حریت و مساوات اسلام کے احکام کے مطابق کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا جواب اسی صورت میں دیا جاسکتا ہے۔ جب پہلے یہ معلوم ہو جائے۔ کہ سائل کے نزدیک ان دونوں الفاظ کی کیا تشریح ہے۔ ممکن ہے بعض صورتوں میں یہ اسلامی احکام میں داخل ہوں۔ اور بعض میں داخل نہ ہوں۔ میری اس تحریر سے یہ غرض تھی کہ جب ان الفاظ کی وہ تشریح کریں گے تو کسی قسم کی حریت اور کسی قسم کی مساوات جسے وہ اس وقت جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ خود انکو بری لگنے لگیگی۔ اور خود انہی کے الفاظ سے ان کا سوال حل ہو جائیگا۔

خواجہ عباد اللہ صاحب کا مضمون

اس مضمون کے شائع ہونے پر اصل سائل صاحب تو نہ بولے لیکن خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر نے ایک مضمون وکیل میں شائع کرایا جس کا مطلب یہ تھا کہ گویا میں نے حریت و مساوات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور بعض آیات سے بعض قسم کی حریت و مساوات ثابت کرنی شروع کی۔ جیسا کہ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ یہ فعل ان کا جلد بازی پر مبنی تھا۔ وہ ان باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ جو میں نے نہ لکھی تھیں۔ اور بعض ایسی باتیں ثابت کر رہے تھے۔ جن کا میں نے کبھی اور کہیں انکار نہ کیا تھا۔

خواجہ صاحب کی درشت کلامی

میں نے ان کو اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء میں انکی اس غلطی پر متنبہ کیا۔ اور ان کے مضمون کی بعض غلطیوں پر بھی آگاہ کیا جیسا کہ ان لوگوں کا جو غلطی پر ہوتے ہیں۔ اور اپنی اصلاح کرنے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ خاصہ ہے۔ انہوں نے اس مضمون کے جواب میں نہایت گندہ دہنی سے کام لیا ہے۔ اور مختلف پیرایوں میں گالیاں دیکر اپنا غصہ نکالنا چاہا ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ باوجود دوبارہ یاد دلائے جانے کے پھر بھی اسی رنگ میں مضمون لکھتے چلے گئے ہیں کہ گویا میں حریت و مساوات کا ہر رنگ اور ہر شکل میں مخالف ہوں حالانکہ میں نے ابھی اس مضمون کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار بھی نہیں کیا۔ اور بار بار یہی لکھا ہے۔ کہ ان الفاظ کی تشریح ہونے پر میں بتا سکتا ہوں کہ آیا ان امور کا خیال رکھنا اسلام کے مطابق ہے یا مخالف۔

خواجہ صاحب کے مضمون کی حقیقت

خواجہ صاحب نے اپنے تازہ مضمون میں جہاں پہلے مضمون کی طرح بے سروپا اور غیر متعلق باتوں کی بھرمار کی ہے۔ وہاں کئی ایسی باتیں میری طرف منسوب کی ہیں۔ جو میں نے کبھی نہیں لکھیں اور غلط باتیں میری طرف منسوب کرکے آیات قرآنی اس کی سند میں لکھنی شروع کردی ہیں۔ اور وہ بھی ایسے ہتک آمیز طریق پر کہ کوئی سچا مسلمان اس طریق کو برداشت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بالکل بے محل آیتوں کو جمع کردیا گیا ہے اور اس قدر تعلّی سے کام لیا ہے۔ کہ "ہم" کے سوا وہ اپنا ذکر ہی کرنا پسند نہیں کرتے۔ گو بعض دوستوں نے ان کی اس تعلّی اور خلط مبحث کی عادت اور سخت کلامی کو دیکھ کر مجھے مشورہ دیا ہے کہ جبکہ وہ اصل مضمون کی طرف نہیں آتے۔ اور خواہ مخواہ من گھڑت باتوں کا جواب دینے میں مشغول ہوجاتے ہیں تو مجھے ان کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری جماعت کے اور کسی دوست کو ان کے مضامین کے جواب دینے پر مقرر کردیا جائے۔ لیکن چونکہ ممکن ہے کہ خواجہ صاحب جان بوجھ کر اس راستہ پر نہیں چل رہے بلکہ وہ اپنے نفس کے دھوکہ میں آگئے ہوئے ہیں۔ اسلئے میں ایک دفعہ پھر انکو راستی کی دعوت دیتا ہوں۔ اور امید ہے کہ اب وہ اس بے اصولے پن سے رکنے کی کوشش کرینگے۔ جس کو وہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے بجائے اصل مطلب کی طرف آنے کے اسی طرح بے سروپا باتوں کی طرف توجہ کی۔ تو ان کا جواب دینے کے لئے اور بہت سے احباب موجود ہیں۔ جو اپنے اوقات میں سے کچھ ان کی خاطر بچا سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے ان سے علم اور سمجھ میں ہر طرح بالا ہیں۔

خواجہ صاحب کے اسلام کے خلاف خطرناک عقائد

سب سے پہلے تو میں پھر خواجہ صاحب کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جس مضمون کا جواب وہ لکھنے بیٹھے ہیں اس کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو وہ سمجھے ہیں۔ میں نے حریت و مساوات کے متعلق اپنی رائے ہرگز بیان نہیں کی۔ بلکہ سائل سے ان الفاظ کا مطلب پوچھا ہے تاکہ اس کی تشریح کے مطابق اسکو جواب دیا جائے۔ آپ بلا اس کے کہ میرا خیال آپ کو معلوم ہو۔ ایک غلط بات کو میری طرف منسوب کرکے اس کا رد کرنے لگ گئے ہیں اور اس فعل میں ایسے خطرناک اور خلاف اسلام عقائد کو پیش کرنے لگ گئے ہیں کہ انکو اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو وہ اسلام جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اور جو قرآن کریم میں بیان ہے۔ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ جیسے یہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر بھی نجات ہوسکتی ہے۔ اور یہ کہ رسولوں کی بات کا ماننا بھی شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت ہے۔ وغیر ذالک من الخرافات الواہیۃ المقالات الکفریۃ اور باوجود اسکے میری بیان کردہ باتوں کو ضلالت اور کفر اور فسق ثابت کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ مجھے اس جگہ ان مسائل پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان سے میرے مضمون کا کچھ تعلق نہیں۔ آپ نے تو غالباً بات کو مشتبہ کرنے کے لئے جو مسئلہ بھی سامنے آیا ہے اُسے اپنے مضمون میں داخل کردیا ہے۔ مجھے اس امر میں آپکی اتباع کی ضرورت نہیں اور نہ اس طرح کسی امر کا تصفیہ ممکن ہی ہے۔

حق و باطل ظاہر ہو جاتا ہے

اسکے بعد میں خواجہ صاحب کو بتانا چاہتا ہوں کہ حق کبھی حیلوں اور بہانوں سے نہیں مل سکتا۔ نہ باطل پردوں کے نیچے چھپ سکتا ہے۔ حق کبھی ظاہر ہوکر رہتا ہے۔ اور باطل بھی نہیں خواہ کیسا ہی اختلاف ہو۔ اور کیسی ہی مقابلہ ہو امانت کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ دیانتدار انسان کا خاصہ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ کہ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کبھی باطل کی مدد نہیں لیتا۔ اور ناجائز وسائل کو اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ دلیری اور جرأت سے حق کا اظہار کرتا ہے اور صداقت کو اختیار کرتا ہے۔ خواہ اسمیں اس کا کچھ نقصان ہی ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ نے بعض وقت طیش میں آکر اس امر کو مد نظر نہیں رکھا۔ اور لوگوں کو بھڑکانے کے لئے یا میری باتوں کو حقیر ثابت کرنے کیلئے میری طرف وہ باتیں منسوب کردی ہیں۔ جو میں نے نہیں کہیں یا جن کے متعلق میں نے اس مضمون کے بالکل خلاف بیان کیا ہے جو آپ نے میری طرف منسوب کردیا ہے۔ مثال کے طور پر میں چند امور کو بیان کرتا ہوں:-

صحابہ کی ہتک کرنے کا غلط الزام

(۱) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے صحابہ کرام اور تابعین کو شریروں سے تعبیر کیا ہے۔ خواجہ صاحب آپ جانتے ہیں۔ اور وہ سب لوگ جو میرے خیالات سے واقف ہیں یا جنہوں نے میرا وہ مضمون پڑھا ہے جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ ایک خطرناک بہتان ہے۔ میں نے ہرگز کسی صحابی یا تابعی کو شریر نہیں کہا۔ بلکہ میں صحابی یا تابعی کو شریر کہنے والے یا سمجھنے والے کو شریر سمجھتا ہوں۔ میرے مضمون کا کوئی فقرہ یا جملہ نہ وضاحتاً نہ اشارتاً نہ کنایتہً اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی صحابی یا تابعی شریر ہے۔ اور باوجود اسکے آپکا یہ بات میری طرف منسوب کرنا اس امر پر شاہد ہے کہ یا تو آپ کو صد درجہ کی موٹی عقل ملی ہے۔ جسکی وجہ سے آپ دن کو دن اور رات کو رات بھی نہیں سمجھ سکتے یا آپ کو اپنی بات کی پچ اور ضد میں حق و باطل کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ ان دونوں باتوں کے سوا تیسری اور کوئی بات میرے خیال میں نہیں آتی۔ جس پر میں آپ کے اس فعل کو محمول کروں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ یہ تھا۔ کہ حضرت عثمان رضہ کے زمانہ میں بعض شریروں نے جو صحابہ کے اموال کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لوگوں میں اسکے خلاف جوش پیدا کرنا شروع کیا۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ کو جو ایک غریب مزاج آدمی تھے۔ اور زیادہ مال پاس رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن دوسروں کو بھی مجبور نہیں کرتے تھے جاکر اکسایا کہ دیکھو لوگ کس طرح مال و دولت جمع کرنے میں لگ گئے ہیں۔ اور ان کو اسقدر جوش دلایا کہ انکو جہاں کہیں کوئی مالدار صحابی مل جاتا۔ اسکو پکڑ بیٹھتے کہ تمہارے پاس مال کیوں ہے اور بجائے معمولی نصیحت کے آپ نے اس امر میں تشدد سے کام لینا شروع کیا۔ آخر حضرت عثمان رضہ کو رپورٹ ہوئی۔ اور آپ نے انکو مدینہ بلوا لیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ نہ تو میں نے حضرت ابوذر غفاری کو اور نہ کسی اور بزرگ کو شریر کہا ہے۔ بلکہ جو شریر تھے۔ صرف انہی کو شریر کہا ہے۔ ہاں اگر خواجہ صاحب کے نزدیک وہ اشرار جو حضرت عثمان رضہ کے وقت میں فتنہ پھیلانے کے موجب ہوئے تھے صحابہ کا درجہ رکھتے تھے تو پھر بیشک مجھ پر الزام آسکتا ہے۔ لیکن اگر صحابی سے مراد وہ اشخاص ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور جن کو آپ نے مومنوں میں شامل کیا۔ تو پھر یہ ایک خطرناک بہتان ہے۔ کہ میں نے صحابہ تو الگ رہے کسی ایک صحابی کو بھی شریر کہا ہو۔ اور مجھے افسوس ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے خلاف تقویٰ اور دیانت مجھ پر ایسا گندہ الزام لگایا ہے۔ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ اس طرح اس مضمون پر پردہ پڑ جاویگا۔ جس پر انہوں نے قلم اُٹھایا ہے تو یہ ایک غلط خیال ہے۔ کیونکہ باطل کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

تابعین کو شریر کہنے کا جھوٹا الزام

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مَیں نے تابعیوں کو بھی شریر کہا ہے۔ تابعی کا لفظ تو میرے مضمون میں ہے ہی نہیں۔ مگر شاید انہوں نے تابعی کا استدلال اس سے کر لیا ہے۔ کہ چونکہ میں نے حضرت عثمان رضہ کے زمانہ کے بعض لوگوں کو شریر کہا ہے۔ اور اسوقت صحابہ کرام کی چونکہ ایک کثیر تعداد موجود تھی اسلئے اس زمانہ کے سب لوگ تابعی ہوگئے۔ استدلال تو یہ بہت باریک ہے۔ مگر اس اصل کے ماتحت غالباً خواجہ صاحب ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ کو بھی صحابی قرار دیتے ہونگے۔ کیونکہ انہوں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ اور عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اسکے ساتھیوں کو تو ضرور وہ صحابہ میں شامل کرتے ہونگے۔ کیونکہ وہ تو سالہا سال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ خواجہ صاحب پر مجھے تعجب ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ تابعی تو اس شخص کو کہتے ہیں جو صحابہ کا سچا متبع ہو۔ نہ یہ کہ ہر شخص جو صحابہ سے ملا ہو وہ تابعی ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں تابعی کی تعریف یہ فرماتا ہے کہ والذین اتبعوھم باحسان۔ جو لوگ صحابہؓ کے کامل متبع ہوگئے۔ پس وہی تابعی ہے جو صحابہ کا کامل متبع ہے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہے نہ کہ ہر وہ شخص جس نے صحابہ کو دیکھا ہو خواہ کس قدر ہی شریر اور مفسد کیوں نہ ہو۔ اگر خواجہ صاحب کو تاریخ سے ادنیٰ درجہ کی واقفیت بھی ہوتی۔ تو وہ جان لیتے کہ میں نے جس جماعت کی طرف اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے وہ عبداللہ بن سبا اور اسکے پیرووں کی جماعت ہے۔ اور ان کے شریر اور مفسد ہونے کے صحابہ بھی اور بعد کے بزرگان اسلام بھی قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو درداؓ اور حضرت عبادۃؓ ابن الصامت جیسے معزز صحابہ نے اسے مفسد اور منافق قرار دیا ہے۔ اور اس کی تمام زندگی ہی اسلام میں فتنہ اور نفاق ڈالنے میں خرچ ہوئی ہے۔ پس ایسے شریر النفس انسان کو تابعی قرار دیکر مجھ پر یہ الزام لگانا کہ مَیں تابعین کو شریر کہتا ہوں سخت ظلم ہے۔ خواجہ صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رجعت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اور لوگوں میں یہ بات پھیلاتا تھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پھر دوبارہ اسی جسد عنصری کے ساتھ تشریف لا دینگے ✦

حافظ قرآن ہونے کا الزام کب لگایا گیا

دوسرا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے کہ مَیں نے ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ حافظ قرآن نہیں ہیں۔ ہر ایک شخص جس نے میرا مضمون پڑھا ہے جانتا ہے کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ مَیں نے اپنے مضمون میں ہرگز ان کے حافظ قرآن نہ ہونے پر ان کو الزام نہیں دیا۔ بلکہ مَیں نے صرف ان کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ قرآن کریم کی آیات کو کلید میں دیکھ کر بلا قرآن کریم میں سے نکالنے کے اور ان کے مفہوم پر غور کئے کے یونہی اپنے مضمون میں درج نہ کر دیا کریں۔ کیونکہ جیسا کہ ان کے دونوں مضامین سے ظاہر ہوتا ہے۔ انکی یہ عادت ہو کہ بلا مطلب کا لحاظ کئے یونہی آیات درج کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح آیات قرآنیہ کا بے محل استعمال کلام الٰہی کی شان کے خلاف ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید بہت سی آیات کا درج کر دینا علمیت کا ثبوت ہے۔ حالانکہ بے محل آیات قرآنیہ کا استعمال نہ صرف جہالت کا ثبوت ہے بلکہ کلام الٰہی کی ہتک ہے۔ مگر ان کا یہ شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی توجہ کو اس امر کی طرف پھیرنے کے لئے تمام ان آیات قرآنیہ کا ایک سلسلہ وار نمبر دیا ہے۔ جو انھوں نے اپنے مضمون میں درج کی ہیں۔ حالانکہ انہیں سے بعض تو بے موقعہ استعمال کی گئی ہیں۔ اور بعض ایسے مضامین کی تردید یا تائید میں بیان کی گئی ہیں کہ جن کو یا تو میں نے بیان نہیں کیا یا ان سے انکار نہیں کیا۔ پس ایک کی تردید اور دوسرے کی تائید دونوں ہی عبث عمل ہیں۔

قرآن میں نسخ کے قائل ہونے کا غلط الزام

تیسرا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ میں قرآن کریم میں نسخ کا قائل ہوں۔ اور آیت زکوٰۃ سے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیتا ہوں۔ حالانکہ یہ بات ہمارے سلسلہ کے اشد ترین دشمنوں سے بھی پوشیدہ نہیں کہ ہماری جماعت بلا استثناء ابتدائے شروع زمانہ سے لیکر قرآن کریم کی آیات تو الگ رہیں اسکے ایک لفظ یا اس کی ایک حرکت کے نسخ کی بھی قائل نہیں۔ ہم صرف قرآن کریم میں نسخ کے منکر ہی نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف ہمیشہ سے زور دیتے چلے آئے ہیں اور ہمارا تمام لٹریچر اسپر شاہد ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تمام آیات کی ضرورت اور حکمت بیان کر سکتے ہیں۔ جن کو لوگ منسوخ سمجھتے ہیں۔ ہماری جماعت کی طرف سے جو قرآن کریم کے پہلے پارہ کا انگریزی ترجمہ شایع ہوا ہے۔ اسمیں میرا ہی لکھا ہوا ایک نوٹ آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا کے متعلق اس مضمون کا درج ہے کہ "دوسرے معنے جو بعض مترجم اس آیت کے کرتے ہیں۔ یعنی بعض آیات قرآنیہ منسوخ ہوگئی ہیں۔ نہ صرف قرآن کریم کے اور اس آیت کے مضمون کے برخلاف ہیں بلکہ اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکی تردید کرتے ہیں...... حق یہ ہے کہ بعض انگریز مترجموں کا خیال کہ قرآن کریم کے بعض حصص منسوخ ہوگئے ہیں۔ ایک غلط اور دھوکا دینے والا خیال ہے۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہوا۔ تمام کا تمام قرآن نہیں بلکہ اس کا ہر ایک لفظ اور اس کی ہر ایک حرکت نسخ کے عمل سے بالکل بالا ہے۔ قرآن کریم میں کوئی دو متضاد حکم نہیں ہیں۔ اسلئے نسخ کا مسئلہ درمیان میں لانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو اختلافات کہ بیان کئے جاتے ہیں وہ صرف نسخ کے قائلوں کے خلاف اس امر کا ثبوت ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم پر گہری نظر نہیں ڈالی"۔ الخ صفحہ ۸۸ و ۸۹۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ میں نسخ کا کیسا مخالف ہوں۔ اور اس کے علاوہ میری بہت سی تحریرات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مَیں نسخ کے مسئلہ کو ایک نہایت ہی بے بنیاد اور دین میں رخنہ ڈالنے والا مسئلہ سمجھتا ہوں۔ پھر باوجود جماعت احمدیہ کے عام عقیدہ اور میری اپنی تحریرات کی موجودگی کے نہ معلوم خواجہ صاحب کو کیونکر جرأت ہوئی کہ وہ میری طرف اس عقیدہ کو منسوب کریں ✦

یہ تو مَیں نے جماعت احمدیہ کا اور اپنا عام اور مشہور اور شایع شدہ مذہب بیان کیا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہو کہ میری جس مضمون سے خواجہ صاحب استدلال کرتے ہیں کہ مَیں نے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ مَیں نسخ کا قائل نہیں ہوں بلکہ جس عبارت سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مَیں نے نسخ فی القرآن کا عقیدہ بیان کیا ہے اسی سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ میری وہ عبارت جس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ میں نے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیا ہے یہ ہے:۔ "جو لوگ صدقات کا ذکر کرتے ہیں (آیت انفاق میں)

وہ بھی اس آیت کے معنی کرتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ عفو کے معنے ضرورت سے زائد بچے ہوئے مال کے ہیں۔ شروع اسلام میں سال بھر کے نفقہ سے جو بچ رہے۔ اسکے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا۔ مگر آیت زکوۃ کے نازل ہونے پر یہ حکم موقوف ہو گیا۔ ان لوگوں کے نزدیک گویا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے"۔

پھر آگے لکھا ہے "ان تمام معانی سے جو مفسرین نے کئے ہیں۔ آپکے معنوں کی تصدیق نہیں ہوئی جس جماعت نے اس آیت کے معنے یہ کئے بھی ہیں کہ جو ضرورت سے زائد بچے اسے خرچ کر دو اس نے بھی یا تو اسے جہاد پر چسپاں کیا ہے یا منسوخ قرار دیا ہے"۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ مَیں نے آیت انفاق کو منسوخ نہیں قرار دیا۔ بلکہ دوسروں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ایسے الفاظ ساتھ لگا کر جیسے "گویا" اور "ان لوگوں کے نزدیک" ان سے مختلف الخیال ہونے کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ اور خود میرا اس آیت کے ان معنوں سے انکار کرنا جن سے اس آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہے۔ اس امر کا ثبوت تھا کہ میں نسخ کا قائل نہیں۔ مگر باوجود اسکے خواجہ صاحب مفہوم عبارت کے بالکل برخلاف۔ میرے خلاف یہ بات کسی پوشیدہ مجلس میں نہیں بلکہ ایک اخبار کے کالموں میں بیان کرتے ہیں۔ کہ مَیں آیت انفاق کے نسخ کا قائل ہوں۔ اور پھر یہ الزام لگا کر نسخ کے عقیدہ کے خلاف دلائل دینے شروع کر دیتے ہیں۔ گویا اپنی طرف سے اسلام پر سے ایک زبردست الزام کو دور کرتے ہیں۔

غربا میں تقسیم مال کے متعلق جھوٹا الزام

چوتھا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے۔ کہ گویا میرے نزدیک جو مال اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور کپڑوں اور دوسرے اسباب تعیش سے بچے۔ صرف وہی غربا کو دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ پھر کیا خاک بچیگا۔ اور بطور تمسخر تقیہ بھی۔ امد کہتے ہیں کہ مَیں نے اسطرح حیوۃ الدنیا و زینتہا کا پُورا نقشہ کھینچ دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ تصویر اور بھی مکمل ہو جاتی۔ اگر اسکے ساتھ حسین عورتوں کی کثرت کا بھی ذکر کر دیا جاتا۔ یہ بھی ایک بُہتان ہے۔ جو خواجہ صاحب نے مجھ پر باندھا ہے۔ مَیں نے ہرگز کسی جگہ بھی اپنے مضمون میں یہ نہیں لکھا کہ عمدہ سے عمدہ کھانوں اور قیمتی کپڑوں کے بعد جو کچھ بچے۔ وہ غربا کو دیا جائے۔ بلکہ میں نے اسکے بالکل برخلاف لکھا ہے جسے بگاڑ کر انہوں نے یہ رنگ دیدیا ہے۔ میں پہلے ان کی عبارت اور پھر اپنی عبارت لکھتا ہوں۔ جس سے ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکیگا کہ خواجہ صاحب نے کسقدر دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں :- "ایک اور خیال ہے نے میاں صاحب ممدوح کے دل میں چٹکی لی (خواجہ صاحب کی عبارت پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ جو شخص جس رنگ میں پرورش پاتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اسکی زبان و قلم پر جاری ہوتی ہیں) کہ اگر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کے لئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچیگا تو وہ غرباء میں تقسیم ہوگا۔ اس جمع شدہ مال کے بعد خاک بچیگا۔

تعجب ہے کہ قرآن دانی کے بعد احادیث اور مفسرین کے قول سے تو آنجناب استدلال کر چکے تھے۔ اب عیش پسند امراء کے خیالات کو سند آ بیان کرنا باقی تھا یہ درجہ بدرجہ تنزل واقع میں حیرت انگیز ہے"۔

یہ تو وہ مضمون ہے جو خواجہ صاحب میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ ہے۔ خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ قرآن کریم کے رُو سے جو مال ضرورت سے زائد بچے۔ وہ غربا پر خرچ کر دینا چاہیئے۔ اسکے متعلق میں نے لکھا تھا "ضرورت سے زائد بچے ہوئے کی اصطلاح خود مبہم ہے۔ بعض لوگ جو کچھ انکو مل جائے گو لاکھوں روپیہ کیوں نہ ہو۔ اسکو خرچ کر دیتے ہیں اور ضرورت سے زائد انکے نقطہ خیال میں کوئی مال ہوتا ہی نہیں"۔

پھر اسی سلسلہ میں آگے چلکر لکھا تھا کہ "اگر اسبات کی اجازت دیدی جائے کہ ہر شخص اپنی ضرورت کا خود فیصلہ کرے۔ تو پھر بھی مساوات نہیں ہیگی۔ کوئی شخص اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کیلئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچیگا تو غرباء میں بانٹ دیگا اور غریب بیچارے گاڑھا پہننے اور جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور رہینگے"۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مَیں نے یہ نہیں کہا کہ اُمراء کو چاہیئے کہ اسقدر اسباب تعیش جمع کریں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر خواجہ صاحب کا بتایا ہوا اصل شریعت اسلام کا بتایا ہوا ہوتا تو اسکے ساتھ کوئی تشریح بھی ہوتی ورنہ اُمراء یہ شرارت کرتے۔ کہ سب سامان تعیش کو جمع کر لیتے۔ اور اس خیال سے کہ ہمارا بچا ہوا مال غرباء کو دیا جاویگا۔ اُسکو عیاشی میں اُڑا دیتے۔ اب ہر ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ خواجہ صاحب کے بتلائے ہوئے مضمون کے بالکل اُلٹ ہے۔

خواجہ صاحب نے کیوں افترا پردازی کی

یہ چار موٹے موٹے بُہتان ہیں جو خواجہ صاحب نے مجھ پر لگائے ہیں۔ اور ایسے صریح طور پر غلط ہیں کہ شاید بہت سے لوگ ان کو پڑھ کر فوراً یہ فیصلہ کر دیں کہ خواجہ صاحب نے جان بوجھکر افترا پردازی سے کام لیا ہے۔ مگر چونکہ علم النفس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی دماغ بلا سوچے سمجھے بعض خاص حالات میں اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسلیئے میں ان پر یہ الزام نہیں لگاتا۔ مَیں یہی خیال کرتا ہوں کہ اپنی سُبکی اور شرمندگی کو مٹانے کے لئے ان کے نفس میں جو جوش پیدا ہوا ہے۔ اسکے اثر کے نیچے بلا سوچے سمجھے انکی تحریر میں بعض ایسی باتیں آگئی ہیں۔ جو بالبداہت واقعات کے خلاف ہیں اور جن سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ ناظرین کو میرے خلاف بھڑکائیں یا میرے مضمون کی کمزوری اور بے ہودگی ثابت کریں۔

خواجہ صاحب کا حق وکالت

خواجہ صاحب نے مجھ پر جو بُہتان باندھے ہیں۔ انمیں سے بعض صریح اور موٹے بہتانوں کا ذکر کرنے کے بعد میں خواجہ صاحب کے مضمون پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں۔ خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مَیں ان کی وکالت پر معترض ہوں۔ حالانکہ اخبار میں مضمون چھپنے پر ہر ایک شخص کا حق ہے کہ اس کا جواب دے۔ مَیں خواجہ صاحب کو پھر اپنی پہلی نصیحت کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ وہ بلا غور سے مضمون پڑھنے کے یونہی نہ جواب دینے بیٹھ جایا کریں۔ مَیں نے کبھی بھی ان کے حق وکالت پر اعتراض نہیں کیا۔ جو کچھ مَیں نے لکھا تھا یہ تھا کہ خواجہ صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ سائل کو میرے مطالبہ کے مطابق حریت و مساوات کی تشریح کر لینے دیتے۔ یا اگر اس کا انتظار نہ کر سکتے تھے۔ تو خود حُریت و مساوات کی تشریح کر کے اسکے متعلق میری رائے دریافت کرتے۔ بلا اسکے کہ میری رائے دریافت کریں۔ مجھ پر اعتراض کرنا جائز نہ تھا۔ پس ان کا یہ لکھنا کہ میں ان کے حق وکالت پر اعتراض کرتا ہوں۔ درست نہیں۔ ہماری باتیں نہ تو پوشیدہ ہیں نہ اپنے

خیالات کو ہماری جماعت نے کبھی چھپایا ہے۔ جو شخص جرح کو نہیں سن سکتا۔ وہ ہرگز اس بات کا مستحق نہیں کہ کامیابی کا منہ دیکھے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب دنیا کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اپنے متاع کو تمام دنیا کے مبصروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اعتراض کی اجازت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ بلا سوچے اور بسمجھے ہر شخص اعتراض کر سکتا ہے۔ اپنے وقار کے قائم رکھنے کے لئے دوسروں کا بھی فرض ہے کہ وہ یہ سوچ لیں کہ وہ کس بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ جس بات پر وہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا وہ سمجھنے بھی ہے یا نہیں؟

حدیث سے کیوں استدلال کیا گیا

خواجہ صاحب کو شکایت ہے کہ میں نے اپنے مضمون میں حدیث سے کیوں استدلال کیا اور یہ کہ جب اصول اسلام پر بحث ہو تو صرف قرآن کریم سے بحث ہوگی۔ کیونکہ احادیث موضوع بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ اور پھر خاص حالات کے ماتحت ہیں۔ اور اگر وہ صحیح بھی ہوں۔ تو بھی کتاب اللہ کے سوا کسی شخص کا فیصلہ ماننا خواہ وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ اربابًا من دون اللہ کے ذیل میں آ جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے اس بیان سے تین سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) یہ کہ میں نے حدیث سے کیوں استدلال کیا۔ قرآن کریم سے کیوں نہ کیا (۲) حدیث ظنی اور ضعیف اور موضوع ہے۔ اور خاص حالات کے ماتحت ہے (۳) اگر حدیث صحیح بھی ہو تو بھی کتاب اللہ کے سوا کسی دوسرے شخص کا فیصلہ ماننا اربابًا من دون اللہ کے ذیل میں داخل ہے۔

سوال اول کا تو یہ جواب ہے۔ کہ میں تو احادیث نبی کریم کو مناسب تحقیق و تدقیق کے ماتحت نہایت ضروری یقین کرتا ہوں۔ اور سنت کے بغیر تو اسلام میں ایک ناقابل تلافی رخنہ پڑ جاتا ہے۔ پس اگر میں سنت و حدیث سے استدلال کروں۔ تو قابل تعجب نہیں۔ دوم جتنے امور مہمہ تھے۔ سب کے لئے میں نے آیات قرآنیہ سے استدلال کیا تھا۔ ہاں احادیث کو بطور تائید کے بیان کیا تھا۔ اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ خواجہ صاحب احادیث کے منکر ہیں تو پھر میں کبھی احادیث سے مسائل شرعیہ کے متعلق استنباط نہ کرتا۔ مگر چونکہ مجھے ان کے عقیدہ کا علم نہ تھا اسلئے عام عالم اسلام پر قیاس کر کے میں نے ان کے جواب میں بعض احادیث کو بھی بیان کر دیا۔

دوسرا اس کا جواب یہ ہے کہ خواجہ صاحب کو حدیث کی کمزوری اب آ کر معلوم ہوئی ہے۔ جب ان کے مقابلہ میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ انھوں نے اپنے پہلے مضمون میں خود احادیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لا تفضل لعربی علی عجمی کی حدیث اور خدا تعالیٰ کی زمین اور اسکے بندوں سے برتری تلاش نہ کرو کی حدیث انھوں نے اپنے پہلے مضمون میں بیان کر کے اس پر خاص زور دیا ہے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ بعض احادیث ان کے خلاف پڑتی ہیں تو ان کو موضوع اور ضعیف قرار دینا شروع کر دیا۔ تعصب بھی انسان کو کہاں سے کہاں لیجاتے ہیں۔

اگر خواجہ صاحب یہ کہیں کہ میں تو ان مضامین کی تائید میں احادیث لایا تھا جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ تو میرا بھی ان کو یہی جواب ہے۔ کہ میں بھی احادیث انہی مضامین کی تائید میں لایا تھا جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ پھر اس پر ان کو کیوں اعتراض پیدا ہوا۔

احادیث کا درجہ

سوال دوم کہ حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں۔ اور پھر وقتی حالات کے ماتحت ہیں ایک مستقل سوال ہے۔ جس کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ بیشک احادیث اسی طرح یقینی نہیں ہیں جس طرح قرآن کریم یقینی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار کی بنیاد بہت حد تک تاریخ پر ہے اور دنیا کی معتبر سے معتبر تاریخوں سے حدیث زیادہ یقینی اور معتبر ہے۔ بعض حدیثیں تو اس تواتر سے پہنچی ہیں کہ ان کے مضمون سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ذات سے انکار کر دے۔ کیونکہ علاوہ قولی تائید کے لاکھوں کروڑوں انسان انکی عملی تائید بھی کرتے چلے آئے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ حدیثیں وقتی حالات کے ماتحت ہیں ایک حیرت انگیز انکشاف ہے۔ کیونکہ اسکے یہ معنے ہونگے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی بھر اسلام کی اصل تعلیم کے متعلق نہ کوئی بات کہنے کا موقعہ ملا اور نہ کسی حکم پر عمل کرنے کا۔ آپ کی زندگی کے تمام حالات اور آپ کے تمام اقوال صرف وقتی حالات کے ماتحت تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور اگر آپ یہ کہیں۔ کہ بعض باتیں تو وقتی حالات کے ماتحت بھی ہونگی۔ پس حدیثوں کا معاملہ مشتبہ ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک بعض امور وقتی حالات کے متعلق بھی ہیں۔ لیکن انہیں اور دوسری حدیثوں میں ہم انہی اصول کے ماتحت فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جن کے ماتحت ہم قرآن کریم کی آیات متشابہات کا فیصلہ کر لیا کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔

کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات ماننا

تیسرا سوال خواجہ صاحب کی مذکورہ بالا تحریر سے یہ پیدا ہوا تھا کہ کتاب اللہ کے سوا کسی اور شخص کی بات ماننی اربابًا من دون اللہ میں داخل ہے۔ خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔

اگر خواجہ صاحب کا اس بات سے یہ مطلب ہے کہ بفرض محال اگر نبی خدا تعالیٰ کی بات کے خلاف کہدے۔ تو ہم اسکی بات نہیں مانینگے۔ تب تو گو میں اس قسم کے کلمہ کو گستاخی اور بے ادبی انبیاء کی قرار دونگا۔ لیکن اس امر کی تصدیق کروں گا۔ کہ اگر اس صورت کو ممکن سمجھ لیا جائے تو اس کا مضمون سچا ہے۔ مگر پھر اس صورت میں اسجگہ اس مضمون کے بیان کرنے کی حکمت سمجھ میں نہ آویگی۔ کیونکہ حدیث کو اس دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ کے خلاف کوئی بھی بات کہے۔ خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی بات قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ حدیث تبھی رد ہو سکتی ہے۔ اور اس کا ماننا اربابًا من دون اللہ کی اطاعت کے ماتحت تبھی آ سکتا ہے۔ جب ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ بعض باتیں خدا تعالیٰ کے خلاف منشاء اور اس کے احکام کی مخالفت میں بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب خواجہ صاحب اس امر کا دعویٰ نہیں کرتے تو پھر اسجگہ اس بات کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس کے بیان کرنے سے حدیث رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔

اور اگر خواجہ صاحب کا یہ مطلب ہے۔ کہ نبی گو ایسی بات بھی کہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو تب بھی اس کا حکم ماننے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔ تو میرا اس سے زیادہ انبیاء کی ہتک کوئی نہیں ہو سکتی کہ دنیاوی حکام کے احکام مانے جاویں۔ ماں باپ کے احکام پر عمل کیا جائے۔ مگر نبی کی بات تسلیم نہ کی جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں

فرماتا ہے کہ ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہم نے کوئی رسول دنیا میں مبعوث نہیں فرمایا۔ مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اسکی اطاعت کی جائے۔ اس آیت میں باذن اللہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں نہ کہ فی اوامر اللہ۔ پس اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے احکام میں اسکی اطاعت کریں۔ کیونکہ اول تو الفاظ اسکے متحمل نہیں ہوتے۔ دوم اگر احکام الٰہیہ میں ہی اس کی اطاعت تھی تو پھر اس کی اطاعت کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تم لوگوں کے لئے رسول اللہ میں ایک پاک نمونہ ہے۔ اور پھر فرماتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو تم سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگیگا۔ ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علاوہ کلام الٰہی میں مذکور شدہ احکام کے رسول بھی جو حکم دے۔ اسکی اطاعت خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ اور شرک وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ اطاعت اپنی ذات میں شرک نہیں۔ اطاعت کبھی وجودی بھی شرک ہوتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلہ پر پڑ جائے۔ ورنہ اطاعت تمام انسان کسی نہ کسی مخلوق کی کرتے ہیں۔ اور چونکہ رسولوں کی اطاعت باذن اللہ ہوتی ہے ان کی اطاعت کو شرک کہا ہی نہیں جا سکتا۔ شرک وہی اطاعت ہو سکتی ہے جو اذن اللہ کے خلاف ہو۔ نہ کہ جو اس کے موافق ہو۔

غرض احادیث کو اس بنا پر رد کرنا کہ ان کو ماننے سے شرک لازم آجاتا ہے۔ ایک دھوکا ہے جو خواجہ صاحب کو لگا ہوا ہے۔ اور درحقیقت ایسا اعتقاد رکھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑیگی یا تو یہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذالک خدا تعالےٰ کے احکام کے خلاف بھی کہدیا کرتے تھے۔ اور یا یہ کہ باوجود اسکے کہ خدا تعالےٰ کے احکام کے خلاف ان کی بات نہ ہو۔ تب بھی اسکو قبول کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے شرک لازم آتا ہے گویا رسالت ایک رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے۔

حریت و مساوات اسلام میں

خواجہ صاحب نے یہ بھی سوال کیا ہے کہ حریت و مساوات اگر بعض تشریحات کے مطابق اسلامی احکام میں شامل ہونگی تو کیا اصولاً ہونگی یا کسی اور طرح۔ خواجہ صاحب نے اپنی طرف سے نہایت سوچکر یہ ایک معمہ پیدا کردیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اگر میں کہوں کہ اصولاً داخل ہونگی تو وہ کہینگے کہ پھر یہ اصولی مسائل ہوئے۔ اور اگر کہوں کہ اصولاً داخل نہیں ہونگی تو پھر وہ سوال کرینگے۔ کہ جب اسلام میں نئی چیزیں اصول کے داخل ہوتی ہیں۔ تو پھر اسلام مکمل کیونکر ہو گیا۔ یہ تو اسلام پر الزام ہے حالانکہ یہ ایک دھوکا ہے کسی امر کا اصولاً کسی دائرہ کے اندر داخل ہونا اس امر کا یہ نہیں ہوتا۔ کہ اسے اسکے اصول میں داخل کر دیا جائے۔ ہر ایک منضبط کلام اور دین اور شریعت اور قانون اپنے اندر ایک رابطہ اور سلسلہ رکھتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کا ہر ایک جزو اصول میں شامل ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے والا ہر ایک طالب علم کسی قانون یا اصل کے ماتحت مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ مگر ہر ایک طالب علم اس مدرسہ کی روح رواں نہیں کہلاتا۔ ہر ایک اینٹ جو کسی عمارت میں لگائی جاتی ہے کسی اصول کے ماتحت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اس شخص کی ملکیت ہے جس کا مکان بن رہا ہے یا یہ کہ معمار اسے اس جگہ کے لئے پسند کرتا ہے یا یہ کہ وہ اس موقعہ پر سامنے آگئی جبکہ اس مقام پر معمار کو ایک اینٹ لگانے کی ضرورت تھی۔ مگر کوئی نادان ہر ایک اینٹ کو جو عمارت میں لگی ہوئی ہے۔ بنیاد نہیں کہیگا۔ اسی طرح ہر ایک حکم جو شریعت حقہ دیگی کسی سلسلہ فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگی۔ لیکن صرف اس لئے کہ اس کا شمول کسی قاعدہ یا کسی اصل کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا گیا ہے۔ ہر ایک حکم کو اس مذہب کے اصول میں شامل نہیں کردیگا۔ پس خواجہ صاحب کا قول زخرف القول سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ایک فیلسی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے حریت و مساوات پر کیوں زور دیا

مینے خواجہ صاحب کے پہلے مضمون کے جواب میں لکھا تھا کہ مذہبی مساوات کے مسئلہ کو ہمارے سامنے پیش کرنا غلطی ہے کیونکہ اس مسئلہ پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد اس کی اہمیت کے مطابق زور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی دیا ہے۔ خواجہ صاحب میری اس بات کو میری دوسری باتوں کے متضاد خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پوچھتے ہیں کہ اگر حریت و مساوات اصول اسلام میں سے نہیں ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر زور کیوں دیا۔ میں حیران ہوں۔ کہ خواجہ صاحب اسقدر بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ کسی بات پر زور دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بات اصول میں شامل ہو۔ ہر ایک چیز اپنے موقعہ کے مناسب توجہ چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بات چھوٹی ہو اور کسی وقت اس کی طرف کم توجہ ہو رہی ہو اسوقت بڑی باتوں کی نسبت اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائیگی۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بات خود چھوٹی ہو۔ لیکن بڑی باتوں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہو۔ اسلئے بڑی باتوں کی طرف توجہ کرتے وقت اس کی طرف لازماً توجہ کرنی پڑے۔ چونکہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتے وقت اس امر کا یقین دلانا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا دروازہ ہر ایک شخص کیلئے کھلا ہے۔ اسلئے لوگوں کو خدا تعالیٰ تک لانے کی غرض سے نہ کہ مساوات کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اس امر پر بھی زور دینا پڑیگا کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کسی قوم یا کسی ملک کے لئے بند نہیں کیا گیا۔

مذہبی اور مالی مساوات میں فرق

دوسرا اعتراض خواجہ صاحب کا یہ ہے کہ جب مینے مذہبی مساوات کو تسلیم کیا ہے تو کیوں مالی مساوات کو تسلیم نہیں کرتا اگر ایک کو تسلیم کیا ہے تو اصولاً دوسری کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ اعتراض بھی ان کا قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ مذہبی مساوات پر مالی مساوات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہم اس قسم کی مذہبی مساوات کے قائل ہیں جس قسم کی مالی مساوات پر خواجہ صاحب کو اصرار ہے۔ اور [illegible] وہ خود بھی قائل نہیں ہیں۔

مذہبی [illegible] پر مالی مساوات کا قیاس اسلئے نہیں کیا جا سکتا کہ اول تو مذہبی مساوات کے یہ معنی نہیں [illegible] اپنے مذہب میں سے نہ کچھ ہوا دوسرے کو دیدیتے ہیں کہ ہم پر یہ الزام لگایا جائے۔ کہ جب تم مذہبی مساوات کے قائل ہو۔ تو کیوں مالی مساوات کے قائل نہیں ہو۔ مذہب مال کی طرح نہیں۔ کہ خرچ کرنے سے خرچ ہو جاتا ہو۔ بلکہ مذہب اگر

دوسروں کو پہنچایا جائے۔ تو اصل چیز پہنچانے والے کے پاس ہی موجود رہتی ہے۔ اور جس کو پہنچائی جاتی ہے۔ وہ اگر دعوت کو قبول کرے تو اس کو اسی قسم کی اور چیز مل جاتی ہے نہ کہ وہ جو دعوت دینے والے کے پاس تھی۔ پس مالی مساوات کو مذہبی مساوات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جو جائز نہیں ۔

اسلام کی قائم کردہ مالی مساوات

علاوہ ازیں جس قسم کی مذہبی مساوات اسلام نے قائم کی ہے۔ اس قسم کی مالی مساوات بھی قائم ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ یعنی جس طرح اسلام ہر ایک شخص کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ حق کو قبول کرے اسی طرح یہ بھی دعوت دیتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنی فطرتی قوتوں سے کام لیکر دنیاوی ترقی بھی کرے اور جس طرح اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ کسی کے اعمال کسی اور کی طرف منسوب کئے جائیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں رکھتا کہ کسی کا مال کسی کے حوالہ کر دیا جائے۔ پس اول تو مذہبی امور کا قیاس من کل الوجوہ مالی معاملات پر کیا ہی نہیں جا سکتا اور جس حد تک کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اس مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے بیان کرنے سے خواجہ صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

حریت اور مساوات اور اصول اسلام

میں نے اپنے مضمون میں قرآن کریم کے رو سے اصول اسلام لکھے تھے۔ خواجہ صاحب ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس امر پر بھی زور دیتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باقی تمام اصول بالذات مقصود نہیں ہیں۔ حالانکہ اس امر کا سوال ہی نہ تھا کہ کونسے اصول بالذات مقصود ہیں اور کونسے بالذات مقصود نہیں ہیں۔ سوال تو یہ تھا کہ جو اصول قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں ان میں حریت و مساوات شامل نہیں۔ پس اس بحث میں پڑ جانا کہ نبیوں کا ماننا یا نہ ماننا یا کتابوں کا ماننا یا ملائکہ کو ماننا بالذات مقصود ہے یا نہیں ایک لغو بحث ہے۔ وہ بالذات مقصود ہوں یا نہ ہوں۔ سوال تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اصول اسلام قرار دیا ہے اور کسی کا حق نہیں کہ ان کے سوا اپنے پاس سے اصول بنا لے۔

نماز روزہ میں مساوات

نماز روزہ وغیرہ احکام کو بھی اصول تسلیم کرتے ہوئے خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان میں بھی مساوات کو مد نظر رکھا گیا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑونگا۔ کہ کس حد تک ان احکام میں مساوات کو تسلیم کیا گیا ہے اور کن اصول کے ماتحت۔ لیکن میں خواجہ صاحب کو دوبارہ ان کی اس غلطی پر آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی نظام کے اصول میں جو بات مد نظر رکھی جائے وہ بھی اس کے اصول میں شامل ہو جاتی ہے۔ تمام انجمنوں میں ممبروں کی حیثیت برابر کی ہوتی ہے۔ لیکن ان انجمنوں کے ممبروں سے پوچھ کر دیکھو وہ کبھی اپنی انجمن کے اصول میں مساوات کو بیان نہ کرینگے۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام ہے یا اور بہت سی اسلامی یا آریہ یا سکھوں کی مجالس ہیں۔ ان سے جب اصول پوچھے جاوینگے تو وہ یہ کبھی نہ کہینگی کہ ہماری انجمن کا بڑا اصل مساوات ہے۔ بلکہ جس غرض کیلئے ان کو بنایا گیا ہے۔ اس کو بیان کرینگے۔ غرض کسی نظام کے اصول اور ہوتے ہیں اور وہ باتیں جو نظام کے تیار کرتے وقت مد نظر رکھی جاتی ہیں۔ اور ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں فرق نہ سمجھنے کے سبب سے خواجہ صاحب ایک حل نہ ہونیوالے عقدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

خدا کو مطلق العنان اور مضل کہنے میں فرق

خواجہ صاحب نے خدا تعالیٰ کے متعلق مطلق العنان کا لفظ استعمال کیا تھا۔ میں نے ان کو اس پر توجہ دلائی تھی کہ یہ لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت استعمال کرنا جائز نہیں۔ خواجہ صاحب اس پر دبی زبان میں اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں مضل بھی ہے۔ اس کا کیا جواب ہوگی۔ مجھے اس بات کو پڑھ کر خواجہ صاحب کی دینی واقفیت کی کمی پر افسوس آیا۔ یہ بات ایسی ہوتی ہے کہ ہمارے بچے بھی اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور جس نکتہ کو خواجہ صاحب نہایت باریک سمجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے ان پڑھ بھی اس سے واقف ہیں۔ اگر خواجہ صاحب ذرہ بھی غور کرتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ خدا تعالیٰ کی نسبت مطلق العنان کا لفظ استعمال کرنا اور اضلال کو اس کی طرف نسبت دینا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اضلال کے معنے عربی زبان میں صرف گمراہ کرنے کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اسکے معنے گمراہی کی طرف منسوب کرنے کے اور ہلاک کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک لفظ کے معنے اس شخص کی ذات کو مد نظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔ جسکے لئے وہ استعمال کیا گیا ہو۔ جیسے جبر کے معنے اصلاح کے بھی ہیں۔ اور دوسرے کو ذلیل کر کے آپ عزت حاصل کرنے کے بھی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال ہوگا۔ تو اس کے معنے ہمیشہ اصلاح کے ہونگے اور جب بندہ کی نسبت استعمال ہوگا۔ تو ہمیشہ اس کا مطلب دوسروں کو دبا کر خود بڑائی حاصل کرنا ہوگا۔ اسی طرح اضل جب بندوں کی طرف منسوب ہوگا۔ تو اس کے معنے اس کے مناسب حال ہونگے۔ اور جب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا۔ تو ہمیشہ اس کے معنے گمراہ قرار دینے یا ہلاک کرنیکے ہونگے۔ اور ان معنوں میں خدا تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال کرنا نہ قابل اعتراض ہے نہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت ہے۔ لیکن مطلق العنان کا لفظ بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسکے کوئی اچھے معنے نہیں ہیں۔ نہ لغتاً نہ محاورۃً پس اضلال پر اس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔

مساوات ہر جگہ جاری نہ ہونے کے متعلق اعتراض

میں نے اپنے پہلے مضمون میں لکھا تھا کہ مساوات بلا دیگر امور پر نظر رکھنے کے ہر جگہ جاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی اولاد کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب۔ خواجہ صاحب اسکے جواب میں مجھ پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اس استثنار کو ترک کر دیا ہے۔ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے یعنی لا ینال عہدی الظالمین۔ اور دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں۔ کہ اگر اس آیت کے وہ معنے ہیں جو میں نے کئے ہیں تو پھر لکل امۃ رسول کے کیا معنے ہونگے۔ یہ دونوں اعتراض بھی قلت تدبر کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ لا ینال عہدی الظالمین سے ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اسلئے غلط ہے کہ اسجگہ یہ سوال نہ تھا کہ ابراہیم کی اولاد میں سے کس کو خدا تعالیٰ نبی بنائیگا۔ بلکہ سوال یہ تھا کہ ایک عظیم الشان انعام اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کے مقابلہ میں آل ابراہیم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ پس اگر بعض آل ابراہیم بھی اس انعام سے محروم کر دئیے گئے ہیں۔ تو اس سے خصوصیت میں فرق نہیں آتا۔ آل ابراہیم کا امتیاز پھر بھی باقی ہے کہ ایک عظیم الشان انعام ان میں سے ایک فرد کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے ۔

دوسرا اعتراض اسلئے غلط ہے کہ سب قوموں میں نبی آنے کے یہ معنے نہیں کہ ہمیشہ سب قوموں میں نبی آتے رہینگے۔ وعدۂ ابراہیمی کے پورا ہونے کے وقت سے پہلے پہلے ہر ایک قوم میں نبی آچکے تھے۔ مگر جب وعدہ ابراہیمی کے پورا ہونے کا وقت آیا۔ تو یہ فیض آل ابراہیم کے ایک فرد سے مخصوص کر دیا گیا۔ اور اب آل ابراہیم کے فیض سے باہر ہو کر کوئی فیض نہیں۔ پس ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً کی آیت سے اس وعدہ الٰہی پر تب اعتراض پڑ سکتا تھا۔ کہ اگر حضرت ابراہیم ابتداء عالم میں پیدا ہوئے ہوتے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر نبی انہی کے اولاد سے آتے تو باقی تمام اقوام اس فیض سے محروم رہ جاتیں یا یہ اعتراض تب پڑ سکتا تھا۔ کہ اگر آیندہ فیض ایمان ان کی اولاد سے مخصوص کر دیا جاتا۔ لیکن جب تمام اقوام عالم میں نبی مبعوث ہونے کے بعد آخری زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالےٰ نے اس وعدہ کو پورا کیا۔ اور جبکہ آپ پر ایمان لانے کا دروازہ سب دنیا کے لئے کھلا چھوڑا۔ تو دونوں آیتوں کا مفہوم ایک وقت میں پورا ہوگیا فیض نبوت ہمیشہ کے لئے آل ابراہیم کے ساتھ بھی مخصوص ہو گیا۔ اور سب اقوام میں نبی بھی آگئے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ آپ کی بعثت سے پہلے سب عالم میں نبی آچکے تھے اور کیا بلحاظ اسکے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت صرف عرب نہ قرار دئے گئے بلکہ سب جہان کے انسان آپ کی اُمت قرار دئے گئے۔ یہی معنے ہیں۔ جن سے دونوں آیتوں کے معنوں میں تطابق رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔ کہ "ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ کوئی شخص حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ایک مہرتابان سے روشنی لئے بغیر بارگاہِ الٰہی تک پہنچ ہی نہیں سکتا"

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے اعتراض کرتے وقت وہ معنے اپنے ذہن میں نہیں رکھے جو میں نے کئے تھے اور اپنے ذہنی معنوں کی بناء پر مجھ پر اعتراض کر دیا ہے ؛

تقسیم دولت اور وحدت

پھر خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہم نے تو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ اصل الاصول وحدت ہے۔ جو کثرت کو ایک مرکز پر لاتا ہے اسلئے تقسیم دولت اسی اصول کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ خواجہ صاحب نہ معلوم توحید اور تقسیم مال کو ایک اصل کے نیچے کیونکر لاتے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ خواجہ صاحب خود بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس پر عامل ہیں کہ کل دنیا کے اموال آپس میں برابر تقسیم ہو کر سب لوگ برابر ہوں۔ وحدت اور برابری تو ایک ایسا مشکل کام ہے کہ اس کا پورا کرنا نا ممکن ہے۔ وحدت اسوقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک مکان ولباس کھانا۔ انتخاب مرد و عورت آب و ہوا اور کام سب میں برابری نہ ہو۔ یہ کوئی برابری نہیں کہ زائد بچا ہوا مال دوسرے کو دیدے جب برابری ہے تو ایک قسم کا لباس سب کا ہونا چاہیئے۔ سوائے اسکے کہ ایک شخص خود ہی کسی خاص قسم کے لباس سے انکار کر دے۔ پھر ایک قسم کا مکان اور ایک قسم کی جگہ پر ہونا چاہیئے۔ سوائے اسکے کہ خود کوئی شخص کسی ادنیٰ جگہ کو قبول کرے۔ پھر ایک قسم کا انتخاب ازدواج ہونا چاہیئے۔ پھر ایک قسم کی آب و ہوا میں رہنے کا سب کو موقعہ ملنا چاہیئے۔ سوائے اسکے کہ کوئی شخص خود اپنے حق کو چھوڑ دے۔ پھر ایک قسم کا کام ہونا چاہیئے۔ سوائے اسکے کہ کوئی شخص خود دوسرا کام پسند کرے مگر باوجود اسکے پوری برابری پھر بھی نہ ہوگی۔ کئی ایسے نقائص رہینگے۔ جن کا دور کرنا اختیار سے باہر ہوگا۔ لیکن کیا کوئی عقلمند اس قسم کی برابری کے امکان کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ بولشوکس نے کوشش کی۔ لیکن اب تک ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ پس حق وہی ہے۔ جو اسلام نے بیان کیا۔ کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پھل دے کر پھر امراء پر ایسے لوگوں کی مدد مقرر کر دی۔ جو کمزور ہیں۔ اور ایک حصہ مدد کا فرض کر دیا۔ اور دوسرا بطور نفل کے رکھا۔ تاکہ مختلف مدارج روحانیہ کے آدمی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ اور فاستبقوا الخیرات کے حکم کی تعمیل کریں ؛

خواجہ صاحب جس مساوات کی طرف دنیا کو دعوت دیتے ہیں۔ وہ عقلاً بھی نہایت مُضر ہے۔ کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو بہت سے لوگ سُست ہو جائیں اور دنیا کی تمام ترقی رک جائے ؛

مال کما کر بطور امانت رکھنا

عجیب بات یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب ایک طرف تو مساوات پر زور دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ قانون بھی بتلاتے ہیں۔ کہ جس نے مال کمایا ہے۔ وہ اسی کے پاس امانت ہے۔ امانت تو تب رکھی جاتی ہے جب امانت رکھنے والے کو اس مال کی ضرورت نہ ہے۔ جبکہ دنیا میں بعض زیادہ مالدار اور بعض بالکل غریب نہ ہوں۔ لیکن جبکہ یہ بات نہیں بلکہ دنیا کے لوگوں میں بہت بڑا فرق موجود ہے۔ تو پھر امراء کے پاس مال امانت پڑا رہنے کا کیا مطلب ہوا۔ اس کو ان لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ جو خواجہ صاحب کے نزدیک اسکے اہل ہیں۔

خواجہ صاحب کی پیش کردہ آیت کا صحیح مطلب

خواجہ صاحب اپنے دعوےٰ کی تائید میں قرآن کریم کی آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ آئیں آج مال کی مساوی تقسیم کا فتویٰ نکلتا ہے۔ حالانکہ اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی ؛

اوّل تو اس آیت کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو اسوقت جبکہ دین کے راستہ میں مشکلات ہوتے ہیں۔ دین کی اشاعت میں روپیہ صرف نہیں کرتے۔ بلکہ روپیہ جوڑتے رہتے ہیں سزا کے مستحق ہیں۔ مساوی تقسیم کا یہاں سوال ہی نہیں۔ فی سبیل اللہ سے مُراد قرآن کریم میں اشاعت دین ونصرت دین ہوتی ہے۔ اور اسمیں کیا شک ہے کہ جب دین اور دنیا کا مقابلہ ہو جائے۔ تو ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دوست سب کچھ دین کے لئے قربان کرے۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا خدا تعالیٰ کے حضور سزا کا مستحق ہے۔ جس جس قدر دین کی اشاعت کے لئے مال کی ضرورت پیش آتے۔ اسی اسی قدر مال اس کی راہ میں دینا ہر مومن کا فرض ہے ؛

اگر اس آیت کے یہ معنے بھی کر لئے جاویں۔ کہ اس سے عام لوگوں پر خرچ کرنا

مراد ہے۔ تو بھی اس امر کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اسجگہ یکنز ون کا لفظ ہے اور کنز کرنا اور مال کا پاس رکھنا بالکل جُدا گانہ باتیں ہیں۔ خواجہ صاحب نے خود اپنے مضمون میں علم الاقتصاد کا حوالہ دیا ہے۔ پس ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ کنز کرنے کے معنے جوڑنے کے ہیں جسے انگریزی میں ہورڈنگ کہتے ہیں۔ اور اسکو تمام علم الاقتصاد کے ماہر ایک خطرناک عیب قرار دیتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے مالدار ہونے کو کوئی عیب نہیں قرار دیتا اور جس شخص نے روپیہ کمایا ہے۔ اسکو اس مال کے تقسیم کر دینے کی ہدایت نہیں کرتا۔ ہمارے ملک میں بھی بخیل برا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جسکے پاس جائداد ہو۔ بخیل نہیں کہلاتا پس اگر اس آیت میں عام حکم ہے۔ تو بھی اس میں روپیہ جوڑنے سے منع فرمایا ہے نہ کہ مال کی برابر تقسیم کا حکم دیا ہے۔ اور اسمیں کیا شک ہے۔ کہ اسلام روپیہ جوڑنے سے منع فرماتا ہے۔ اور اسی لئے شریعت نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے تاکہ کوئی شخص روپیہ نہ جوڑا کرے۔ جو روپیہ جوڑے گا۔ ساٹھ ستر سال کے عرصہ میں اس کا سب مال غرباء میں زکوٰۃ کے ذریعہ تقسیم ہو جائیگا۔ پس مال جوڑنا شرعاً ناپسند ہے۔ اور ایسا شخص جو مال جوڑتا ہے۔ واقعہ میں اسلام کے خلاف کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی کا روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے۔ یا زمینوں یا مکانوں پر تو ایسا شخص اگر زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اور غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کرتا ہے تو اسے شریعت مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنا سب مال برابر حصہ کر کے غرباء میں تقسیم کر دے۔ اور مساوات قائم کر دے۔ اور نہ اسکو گنہگار قرار دیتی ہے۔ غرض اگر اس آیت کا مفہوم عام ہے تو بھی اس میں روپیہ جوڑنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ جو شخص روپیہ جوڑتا ہے۔ وہ مال کو بیکار پڑا رہنے دیتا ہے اور اس سے دنیا کو نقصان پہنچتا ہے۔ شریعت اسلام اس امر کو پسند کرتی ہے۔ کہ روپیہ کام پر لگا رہے۔ تاکہ اس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اُٹھائیں۔ مثلاً جو شخص روپیہ تجارت پر لگائیگا۔ اس سے علاوہ لوگوں کو خرید و فروخت کے فائدہ کے یہ بھی فائدہ ہوگا۔ کہ کئی لوگوں کی تجارت کو اس سے فائدہ پہنچیگا۔ کئی لوگ اس کے ہاں ملازم ہو سکینگے۔ مال کے بڑھنے سے اُسے غریبوں کی مدد کرنے کا بھی زیادہ موقعہ ملیگا۔ درحقیقت روپیہ کا جوڑنا ایک ایسا گندہ فعل ہے۔ جو مسلمان کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اسباب میں اور مال کو برابر تقسیم کرنے یا مالی مساوات قائم کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ٭

خواجہ صاحب کا عجیب استدلال

خواجہ صاحب نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس میں ومما رزقنٰھم ینفقون کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ نہیں خرچ کرتے اس میں سے۔ پس معلوم ہوا کہ سب مال خرچ کر دینا چاہیئے۔ اول تو یہ معنے بالبداہت غلط ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اس آیت کے یہ معنے ہونگے کہ انسان جو کچھ کمائے۔ اُسے روز کے روز خرچ کرتا چلا جائے۔ کیونکہ اگر وہ آج کی مزدوری میں سے کچھ رقم اس لئے رکھ لیگا کہ کل کام آویگی تو یہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لئے جمع کرنا اس میں منع کیا ہے۔ اور اگر جمع بھی کرے۔ تو پھر اس جمع شدہ میں سے اپنی ذات پر خرچ کرنا منع ہوگا۔ لیکن اس بات کا دعویٰ خواجہ صاحب نہیں کرتے۔ اور عقلاً بھی ایسے معنے کرنے محال ہیں۔ پس اس کے یہ معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ باقی رہا۔ ینفقون والا استدلال۔ سو یہ استدلال بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ کل اور بعض اور ایسے ہی عام الفاظ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی عام الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور اس سے بعض حصہ مُراد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے۔ جعلکم ملوکا۔ اور تم کو بادشاہ بنا دیا۔ حالانکہ سب بنی اسرائیل بادشاہ نہ تھے۔ انہیں سے بعض بادشاہ تھے ٭

غرض مما سے یہ استنباط کرنا کہ سب مال تقسیم کر دینے کا حکم ہے۔ درست نہیں کیونکہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ما سے بعضھا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا موٹا قاعدہ ہے کہ علوم عربیہ کے واقف کاروں میں سے ادنیٰ واقف بھی اس مسئلہ کو جانتا ہے۔

اسلام میں تفرقہ کی ایک وجہ مال کا حسد بھی

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں مجھ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ شروع زمانہ اسلام کے وجوہ تفرقہ میں جو میں نے یہ بات بیان کی ہے کہ صحابہ کے پاس مال دیکھ کر دشمنوں نے حسد سے ان پر اعتراض کئے۔ اور لوگوں میں پھیلانا شروع کیا۔ کہ یہ دوسروں کا حق مار کر مالدار ہوئے ہیں۔ یہ میری اختراع ہے۔ مجھے ان کی اس تحریر کو پڑھ کر ان کی علمیت پر سخت تعجب اور حیرت ہوئی۔ جس شخص کو تاریخ کا اسقدر علم بھی نہ ہو۔ وہ ایسے مباحث پر لکھنے بیٹھے جنہیں تاریخ کا علم ضروری ہے۔ تو اس کی دلیری پر تعجب ضرور ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اس کی تائید کے لئے مختلف تاریخوں کی ورق گردانی کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف اس مشہور تاریخ کا حوالہ دینا کافی ہے۔ جو زمانہ اسلام کی تاریخوں کی ماں کہلانے کی مستحق ہے۔ یعنی طبری اس کتاب میں حضرت عثمان رض کے زمانہ کے اختلاف کی وجوہ میں یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ مگر وہ لوگ جن کو اسلام میں سبقت حاصل نہ تھی۔ چونکہ نہ تو صحابہ کے برابر عزت پاتے تھے۔ اور نہ ان کے برابر اموال میں حصہ پاتے تھے۔ اسپر ان لوگوں نے اس تفضیل پر گرفت شروع کر دی۔ اور اسے ظلم قرار دینے لگے۔ لیکن عامۃ الناس سے ڈر کر اپنے خیالات کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ صرف خفیہ طور پر یا ناواقف مسلمانوں میں یا آزاد شدہ غلاموں میں یہ باتیں پھیلاتے تھے۔ اسی طرح طبری لکھتا ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری کو ابن سوداء نے جوش دلا کر اُمراء کے خلاف کھڑا کیا تھا۔ پس خواجہ صاحب گو یہ بات کہیں کہ یہ تاریخی شہادت کمزور ہے۔ لیکن ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس تاریخی شہادت کے وجود کا انکار ہی کر بیٹھیں۔ کیونکہ یہ بات صرف انکی جہالت پر دلالت کریگی ٭

عفو کے معنی اور تفاسیر

خواجہ صاحب اس امر پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے عفو کے معنی تفسیروں سے کیوں بیان کئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے خواجہ صاحب کا مشرب معلوم نہ تھا۔ چونکہ عام طور پر مسلمان تفاسیر کے باہر کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے۔ اسلئے میں نے تفاسیر کے حوالے دئے۔ ورنہ ہمارا علم کلام شاہد ہے۔ اور دشمن سے دشمن بھی جانتا ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے تفاسیر

لغیدہ سے آزاد ہیں۔ ہم مفسرین کی خدمت کے مقر ہیں۔ مگر جو انکی بات درست ہو اسکو شکرگذاری سے اسکے بدلائل ثابت ہونے کے سبب لیتے ہیں۔ اور جو انکی بات غلط ہو۔ اسکو رد کر دیتے ہیں۔ اور اسکی بجائے خود مستقل تغیر کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تفاسیر کے بیان کو نقل کرنے سے میری مُراد صرف ان کے خیالات بتانا ہی نہ تھی۔ بلکہ لغو کے جو معنے ان لوگوں کے نزدیک ثابت ہیں۔ ان کا بتانا بھی مدنظر تھا۔ اور اسمیں کیا شک ہے کہ عربی زبان کے متعلق اہل عرب کی تحقیق ہی ہمارے لئے خضر راہ بن سکتی ہے ؀

کسی چیز کے مستحق کے پاس اس چیز کا رہنا

خواجہ صاحب نے اپنے اس مضمون میں مجھ پر مختلف اعتراض کرنے کے ساتھ ساتھ پھر اس امر پر زور دیا ہے کہ انسان چونکہ خلیفۃ اللہ ہے اس لئے جو شخص جس چیز کا مستحق ہے۔ وہ اس کے پاس رہنی چاہیئے۔ میں بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ جو شخص جس چیز کا مستحق ہے۔ وہ اسکے پاس رہنی چاہیئے۔ لیکن نہ تو انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے سے اسکے متعلق کوئی استدلال ہو سکتا ہے اور نہ مستحق کے یہ معنے ہیں کہ مساوات کی جائے۔ بلکہ ہر شخص جو جائز ذرائع سے مال کماتا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔ اور وہ مال اس کے پاس رہنا چاہیئے۔ کوئی شخص اس سے جبراً نہیں چھین سکتا۔ سوائے اسکے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ حق زکوٰۃ وصول کرے یا اور دوسرے معین حقوق وصول کرے۔ ہاں بنی نوع انسان کے اندر محبت و الفت کے بڑھانے اور تقویٰ کے درجوں کو بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کی تحریک مومن کو کی ہے۔ پس ہر ایک شخص جسقدر زیادہ تقویٰ میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی قدر غرباء اور مساکین کی خبر گیری کرتا ہے۔ مگر اسپر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ اپنا گذارہ لیکر باقی سب مال غرباء میں تقسیم کر دے ؛

عورت کا ورثہ

عورت کے ورثہ کے متعلق خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ اس کا ورثہ اسلئے آدھا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی بھی وارث ہوتی ہے۔ میں نے ان کو اس تحریف قرآنی پر آگاہ کیا تو انھوں نے اس غلطی کے قبول کرنے میں کوئی چارہ نہ دیکھا۔ مگر پھر بھی اپنی بات رکھنے کے لئے انھوں نے اپنے تازہ مضمون میں اس طرح بات بنائی ہے کہ عورت اگر سو روپیہ کمائیگی تو مرد چار سو۔ اسلئے جب وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے تو عورت کا حصہ دگنا ہو جائیگا۔ مگر یہ بات کٹ حجتی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عورت نے اپنے تمام رشتہ دار مردوں اور رشتہ دار عورتوں کے اموال سے سوائے شاذ حالت کے آدھا ورثہ پایا ہے اور مرد نے پورا۔ پس کیا صورت میں بھی عورت کا حصہ مرد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ میں نے خواجہ صاحب کو للرجال علیھن درجۃ آیت کی طرف بھی توجہ دلائی تھی۔ اور بتایا تھا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت میں شریعت نے من کل الوجوہ مساوات نہیں رکھی۔ خواجہ صاحب اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر مرد کو اس کی طاقت کی وجہ سے عورت کی حفاظت کا حق دیا گیا ہے تو اس حق کا اسے غلط استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اس جواب پر حیران ہوں کہ اسکے لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کو اسقدر بھی خیال نہ آیا کہ سوال کیا تھا اور میں جواب کیا دے رہا ہوں۔ ظلم یا انصاف کا یہاں سوال نہ تھا۔ میں نے تو یہ بتایا تھا کہ معاملات میں بعض ایسے حقوق مرد کو دئے گئے ہیں۔ جو عورت کو نہیں دئے گئے۔ اور اسکو انھوں نے تسلیم کر لیا ہے مرد خواہ انصاف سے ان حقوق کا استعمال کرے خواہ ظلم سے مساوات بہرحال نہ رہی ؀

شریعت نے عورت کی اصلاح کا ایک طریق مار مار رکھا ہے

میں نے لکھا تھا کہ مرد کو حق ہے کہ اگر عورت کو ناشزہ پائے اور اور ذرائع سے اسکی اصلاح نہ ہو تو اسکو مارے۔ لیکن عورت کو یہ حق نہیں پس مساوات نہ رہی۔ خواجہ صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ الرجال قوامون علی النساء میں رجال سے مراد فرقہ ذکور اور نساء سے مراد فرقہ نساء ہے اور ان خفتم شقاق بینھما میں ضمیر جمع مخاطب اسی جمہور کی طرف راجع ہے۔ اور بینھما میں میاں بیوی کی [illegible] یعنی سزا دینا پنچایت کے اختیار میں ہے۔ اول تو یہ معنی ہی باطل ہیں کیونکہ ان خفتم والی آیت بعد کی ہے۔ اور والتی تخافون نشوزھن والی آیت پہلے کی ہے اور دوسرے کوئی شریف آدمی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتا کہ پنچایت بیٹھ کر اسکے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ وہ اس قدر عرصہ تک اپنی بیوی سے ہم صحبت نہ ہو یہ امر تو خاوند کے اختیار میں ہی ہے اور اسی کو شریعت نے اختیار دیا ہے۔ لیکن اگر یہ معنی بھی تسلیم کر لئے جاویں۔ تب بھی سوال وہی رہتا ہے کہ عورت کے نشوز پر تو پنچایت کو مارنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن مرد کے مارنے کا حکم پنچایت کو بھی نہیں دیا پس پھر بھی مساوات نہ رہی ؀

تعدد ازدواج اور خواجہ صاحب

ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے متعلق خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ مرد کو اس کی حسب پسند ایک سے زیادہ نکاح جائز نہیں۔ مگر فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع کی موجودگی میں یہ دعویٰ ایک دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ خواجہ صاحب حدیث کا انکار کر دیں۔ مگر تاریخ کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ آجکل کے آزاد خیالوں نے یہ عجیب طریق اختیار کیا ہے کہ حدیث کا تو انکار کر دیتے ہیں جو تاریخ سے زیادہ پختہ دلائل سے ثابت ہے۔ مگر تاریخ کو قبول کر لیتے ہیں۔ جس کی بنا حدیث کی صحت کے دلائل کی نسبت نہایت کمزور دلائل پر ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضوان اللہ علیہم کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ کیا عقل اس امر کو تسلیم کر سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب بزرگوں کو ایسی مجبوریاں پیش آگئی تھیں کہ جنکی موجودگی میں ایک سے زیادہ نکاح کے بغیر چارہ نہ تھا ؀

عورت کا نفلی روزہ

میں نے لکھا تھا کہ عورت کو نفلی روزہ رکھنا بلا خاوند کی اجازت کے جائز نہیں۔ اسپر خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ کیا خاوند کو جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خواجہ صاحب کو علمی مباحث میں پڑنے سے پہلے شریعت کے موٹے موٹے مسائل کی واقفیت تو حاصل کر لینی چاہیئے۔ انکو معلوم ہے۔ کہ شریعت اسلام نے روزہ کے متعلق کچھ قواعد بنائے ہیں۔ [illegible] کیلئے بھی نفلی روزہ کی قید رکھی ہے۔ مگر [illegible] عورت سے اجازت لینے کی شرط [illegible] اگر عورت کیلئے یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ خاوند سے اجازت لے۔ [illegible] اس حکم کی غرض صرف یہ ہے۔ کہ من کل الوجوہ مساوات کا مسئلہ شریعت کے خلاف ہے۔ مساوات بعض دفعہ نہایت خطرناک ہوتی ہے اور بجائے اس کے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ [illegible] خوبیاں نسبتی خوبیاں ہیں اور انکی شکلیں بھی ہزاروں ہیں۔ بعض دفعہ جو چیز مساوات نظر آتی ہے وہ عدم مساوات ہوتی ہے ؀

عورت کے لئے نکاح کے وقت ولی کی ضرورت

پھر انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ عورت کو نکاح کیلئے کسی ولی کی وساطت کی ضرورت رکھی گئی ہے۔ لیکن مرد کیلئے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی گئی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر ایسا کیا گیا ہے تو اسی کے فائدہ کے لئے ہے کیونکہ مرد کے عیوب سے عورت واقف نہیں ہوتی۔ اسلئے کسی مرد کی ولایت میں نکاح کرنے کا اسے حکم دیا گیا تا مردوں کے ذریعہ ایسے مرد کے عیوب و ثواب کا علم ہو جائے۔ مگر خواجہ صاحب نے یہ نہ سوچا کہ سوال تو مساوات کا تھا۔ فائدہ یا عدم فائدہ کا سوال نہ تھا۔ اگر فائدہ کا سوال درمیان میں آجائے۔ تو پھر تو اس بحث کا کچھ فائدہ ہی نہیں۔ کیونکہ اصل سائل کو انگریزوں کے طریق عمل پر اعتراض تھا۔ اور اگر یہ اصل تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جسمیں کسی کا فائدہ نظر آئے اس سے اسی رنگ میں معاملہ کیا جائے خواہ مساوات نہ ہے تو پھر تو بات ہی حل ہو جاتی ہے۔ انگریز بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ عدم مساوات صرف ہندوستان کے فائدہ کیلئے ہے۔ اور یورپ جسقدر ممالک پر قبضہ کر رہا ہے صرف اسی عذر پر کر رہا ہے کہ ان لوگوں کا ہمارے ماتحت رہنا ان کیلئے نہایت مفید ہے ٭

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر عورت کو مرد کی ولایت سے نکاح کا تصفیہ کرنے کا اسلئے حکم دیا گیا ہے کہ عورت مرد کے عیب سے واقف نہیں ہوتی۔ تو پھر اس صورت میں تو مرد کو بھی حکم ہونا چاہیئے تھا کہ وہ کسی عورت کی ولایت سے نکاح کرے۔ کیونکہ جس طرح عورت کو مرد کے عیب و ثواب کا علم نہیں ہوتا۔ مرد کو بھی عورت کے عیب و ثواب کا علم نہیں ہوتا۔ جو وجہ خواجہ صاحب بتلاتے ہیں۔ وہ تو دونوں میں پائی جاتی ہے۔ پھر کیوں حکم میں برابری نہیں رکھی گئی ٭

مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت

خواجہ صاحب یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جس صورت میں منہ اسلام کو پیش کیا ہے۔ اس سے زیادہ بھیانک صورت میں پادری بھی پیش نہیں کرتے۔ اور اس صورت میں اسلام مغربی ممالک میں نہیں پھیل سکتا مجھے خواجہ صاحب کے اس اعتراض پر تعجب ہے۔ وہ واقعات کو اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ جبکہ وہ اسلام جس کے وہ قائل ہیں۔ روز بروز تنزل کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔ اور مسیحیوں کے حملوں سے نیم جان ہو رہا ہے وہ اسلام جسے میں پیش کرتا ہوں۔ یورپ اور امریکہ میں اللہ تعالےٰ کے فضل کے ماتحت پھیل رہا ہے۔ خود میری تین بیویاں ہیں۔ اور یورپ کے نومسلم ان مسائل کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ بلکہ نومسلم عورتیں شادی شدہ مرد کے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہیں اور کرتی ہیں۔ اور ہمارے نزدیک جو اسلام کی تعلیم ہے۔ اس سے ایک حد تک واقف ہیں پس عملی کامیابی کو نظر انداز کر کے عملی ناکامی کو اصل کامیابی کی علامت قرار دینا ایک ایسا فعل ہے جس کی حقیقت کو خواجہ صاحب یا ان کے ہم خیال ہی سمجھ سکتے ہیں ٭

زائد مال کس کے پاس رہنا چاہیئے

خواجہ صاحب آخر میں پھر اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جو شخص مال کماتا ہے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔ اس سے جو زائد بچے وہ اسکے پاس امانت کے طور پر رہیگا۔ اور اگر اس کے اہل کے پاس جاویگا تو بھی اسی غرض سے جاویگا میں اس امر کو نہیں سمجھ سکتا کہ امانتاً اس شخص کے پاس مال کیوں رہیگا۔ امانت اسی وقت رکھوائی جاتی ہے جب اسکی ضرورت نہ ہو۔ جب دنیا پر وہ زمانہ نہیں آیا۔ جب سب دنیا کے لوگ آسودہ حال ہو گئے ہوں۔ تو پھر جس شخص کے پاس زائد مال ہو۔ اس کے پاس بقیہ مال کے امانتاً رکھوا دینے کی وجہ کیا ہے موجودہ حالات میں تو قاعدہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس سے مال چھین کر فوراً ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے جو اس سے کم مال رکھتے ہیں۔ اس مساوات کا کیا فائدہ ہے۔ کہ ایک تو لاکھوں روپیہ اپنے گھر میں امانت کے نام سے جمع کر کے بیٹھا ہوا ہو۔ اور دوسرے کے پاس اس شخص سے آدھا سامان معیشت بھی نہ ہو۔ یہ مساوات تو صرف رسمی مساوات ہوگی نہ کہ حقیقی ٭

پھر یہ بھی سوال ہے کہ جب ضرورت سے زائد مال دوسروں کا ہے۔ تو کسی خاص شخص کے پاس اسکو کیوں امانتاً رکھا جائے۔ یہ حق تو لوگوں کا ہونا چاہیئے تھا کہ وہ جس کے پاس چاہیں اس مال کو امانتاً رکھوائیں یا حکومت اس مال کو اپنے پاس رکھنے کی حقدار ہے کہ وہ سب آبادی سے یکساں تعلق رکھتی ہے۔

اور اگر اس بنا پر کہ جس شخص نے محنت سے روپیہ کمایا ہے۔ وہ مستحق ہو گیا ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے۔ روپیہ اسکے پاس رہنے دیا جائے۔ تو کیا وجہ ہے کہ آئندہ اس مال کو ورثہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیا جو شخص مستحق ہو۔ اسکی اولاد بوجہ اولاد ہونے کے ہی مستحق ہو جاتی ہے۔ اگر مال کمانے والے کے پاس بوجہ استحقاق روپیہ رہنے دیا جاتا ہے۔ تو پھر یہ شرط مقرر کی جانی چاہیئے تھی۔ کہ اگر جمع شدہ مال کی نسبت یہ یقین کر لیا جاوے کہ متوفی کی اولاد اسے اپنے نفس پر نہیں خرچ کریگی۔ بلکہ اسے مساوی طور پر حاجتمندوں میں تقسیم کردیگی۔ تب اس مال کو اس کے پاس رہنے دیا جاوے۔ ورنہ ان سے لیکر کسی اور امین کو دیدیا جاوے۔ کہ اسے مساوی طور پر حاجتمندوں میں تقسیم کر دے ٭

خواجہ صاحب کو نصیحت

چونکہ خواجہ صاحب کے مضمون کی تمام باتیں جو قابل توجہ تھیں میرے مضمون میں آگئی ہیں۔ اسلئے میں اسی حد تک اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور خواجہ صاحب کو پھر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اپنا بھی اور دوسروں کا وقت بھی ضایع کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر فی الواقعہ ان کو احقاق حق کا شوق ہے۔ تو نفس مضمون کی طرف توجہ کریں۔ اور ایک دفعہ سائل کے سوالات اور میرے جوابات کو پھر غور سے پڑھیں۔ اور پھر اگر کوئی امر دریافت طلب ان کو نظر آوے تو مجھ سے دریافت کریں۔ یونہی اِدھر سے اُدھر کلام کی باگیں پھیرتے جانا خلاف دانش ہے۔ اور سوائے ضیاع بحث کے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور اگر وہ حق سے محروم نہیں رہنا چاہتے۔ تو مضمون لکھتے وقت اس امر کی طرف زیادہ توجہ دیا کریں کہ جس کے خلاف وہ مضمون لکھ رہے ہوں۔ اس کی طرف ایسی باتیں نہ منسوب کیا کریں۔ جو اس نے نہیں کہیں۔ کیونکہ گو اس سے ان لوگوں کو دھوکا لگ جائے۔ جنھوں نے فریق ثانی کا مضمون نہیں پڑھا۔ مگر اس سے مضمون نویس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اسپر مسخ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے اور حق کے قبول کرنے سے وہ ہمیشہ کے لئے محروم رہ جاتا ہے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ٭

خاکسار مرزا محمود احمد

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر مالکان کیلئے شائع ہوا)